

شعبان فی شعبان

(شعبان المعظم میں روزے کے احکام)

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	تمہید	۵
۲	شعبان میں روزہ رکھنے نہ رکھنے کے احکام	۶
۳	چاند کا حساب	۷
۴	چاند سے حساب رکھنے کی حکمتیں	۹
۵	پندرہویں شعبان کی عبادت	۱۰
۶	زمان اور مکان کے اعتبار سے گناہ کا درجہ	۱۲
۷	گناہ بشکل عبادت	۱۲
۸	علل و حکم پوچھنے کا مرض	۱۳
۹	جدید مجتہدین کی مثال	۱۳
۱۰	تقلید فعلی کی ممانعت	۱۴
۱۱	خود ساختہ علتیں بیان کرنے والوں کی مثال	۱۶
۱۲	احکام کی علتیں بیان کرنے کی ضرورت	۱۶
۱۳	اجتہاد کی ضرورت	۱۷
۱۴	مداومت کی برکات	۱۹

۱۵	دولت نماز و روزہ	۲۱
۱۶	حضور مآلہم کی محبت	۲۲
۱۷	ہماری مثال	۲۴
۱۸	تواضع میں غلو	۲۴
۱۹	شریعت کی رعایت	۲۶
۲۰	احکام دین میں سہولت	۲۷
۲۱	مجاہدات میں سہولت	۲۸
۲۲	احکام شریعت میں سہولت	۲۹
۲۳	حضور قلب کی حقیقت	۳۰
۲۴	نشاط پیدا کرنے کی ضرورت	۳۱
۲۵	دین میں تشدد کا نقصان	۳۲
۲۶	کابلوں کا علاج	۳۳
۲۷	فرضیت نماز میں سہولت	۳۴
۲۸	حصول تجوید میں سہولت	۳۶
۲۹	نماز کی اہمیت و فضیلت	۳۶
۳۰	دل مکہ میں جسم ہندوستان میں	۳۸
۳۱	روزہ میں آسانی	۳۹
۳۲	کام کرنے کا اصول	۳۹
۳۳	روزہ میں آسانی پیدا کرنے کی ترکیب	۴۰

وعظ

شعبان فی شعبان

(شعبان المعظم میں روزے کے احکام)

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے یہ وعظ جامع مسجد تھانہ بھون ضلع مظفرنگر میں ۵ شعبان ۱۳۳۶ھ کو بیان فرمایا۔ جو پونے دو گھنٹے تک جاری رہا۔ اس کو حکیم محمد یوسف صاحب مرحوم نے قلم بند کیا۔ وعظ میں اس بات کو بیان کیا گیا ہے کہ تمام عبادات میں اللہ تعالیٰ نے سہولت پیدا فرمائی ہے اور دین کے تمام احکام انتہائی آسان ہیں۔ شعبان کے نصف اول میں روزہ رکھنے اور نصف ثانی میں نہ رکھنے نیز پندرہ شعبان کے روزہ کی حکمت کو بیان کیا ہے کہ اس سے مقصود رمضان کے روزوں میں سہولت پیدا کرنا ہے۔

خلیل احمد تھانوی

جمادی الاول ۱۴۳۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

خطبہ ماثورہ

الحمد لله نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نوّمن به و نتوکل
 علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یدہ اللہ فلا
 مضل لہ و من یضللہ فلا ہادی لہ و نشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا
 شریک لہ و نشہد ان سیدنا و مولانا محمداً عبداً و رسولہ صلی اللہ
 تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہ و اصحابہ و بآرک و سلم اما بعد:
 فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم
 بسم اللہ الرحمن الرحیم
 (فقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا انتصف شعبان فلا تصوموا)^(۱)
 ”جب نصف شعبان ہو جائے تو (پندرہ شعبان کے بعد) روزہ مت رکھو“

تمہید

یہ ایک حدیث مختصر ہے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حکم بیان فرمایا
 ہے ظاہراً تو اس کا تعلق شعبان سے ہے مگر واقع میں مقصود اس میں رمضان شریف
 کا ایک حکم ہے۔ چونکہ شعبان کا وقت رمضان شریف کے متصل ہے (۲) اس لیے
 بیان کے لئے اس حدیث کو اختیار کیا ہے۔ آج کے وعظ میں بعض احکام شعبان
 کے متعلق اور بعض احکام رمضان کے متعلق مذکور ہوں گے۔ لفظ کے اعتبار سے تو
 اس حدیث کا مضمون شعبان کے متعلق ہے اور معنی میں غور کیا جاوے تو یہ حدیث
 رمضان سے بھی تعلق رکھتی ہے۔

(۱) (سنن ابی داؤد: ۲۳۳۷، مشکوٰۃ المصابیح: ۱۹۷۴، کنز العمال: ۳۴۸۵۷) ابوداؤد و ابن ماجہ والدارمی ترمذی
 کذا فی مشکوٰۃ: (۲) ملا ہوا ہے۔

اس میں طالبین کے لیے ایک نہایت کارآمد دستور العمل بیان ہوا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ طالب تمام مومنین ہیں اس لئے وہ دستور العمل تمام مومنین کیلئے ہوگا کیونکہ ایمان کے حقوق میں سے یہ ہے کہ آدمی ہمیشہ اللہ کی طلب میں لگا رہے اس لئے سب ہی مومنین طالب ہیں سو جو حکم یہاں سے مستنبط ہوتا ہے (۱) وہ باعتبار حکمت کے ایک دستور العمل ہے مومنین طالبین کا۔ سو حاصل حدیث کے دو مضمون ہیں۔ ایک تو لفظوں کا مدلول ہے (۲)، دوسرا معنی میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے میں دونوں کو مختصر اُعرض کروں گا۔

شعبان میں روزہ رکھنے نہ رکھنے کے احکام

ظاہری لفظوں کا مطلب تو یہ ہے کہ جب آدھا شعبان ہو جایا کرے تو روزہ مت رکھا کرو، یہ تو الفاظ سے اچھی طرح سمجھ میں آتا ہے اور ترجمہ کا یہ حکم تو متعلق شعبان کے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نصف شعبان کے بعد روزہ رکھنا مناسب نہیں اور اس ”لاتصوموا“ (۳) میں فقہاء کا اتفاق ہے کہ یہ نہی تحریمی نہیں ہے بلکہ ارشادی ہے یعنی حضور ﷺ مشورہ دیتے ہیں کہ نصف شعبان کے بعد روزہ رکھنا مناسب نہیں اور ساتھ ہی ساتھ غور سے دیکھا جائے تو اس میں نصف شعبان کے روزہ کے جواز کی طرف اشارہ ہے کیونکہ فرما رہے ہیں کہ (اذا انتصف شعبان فلا تصوموا) (۴) مطلب یہ ہوا کہ جب نصف شعبان ہو چکے تو روزہ مت رکھو اور نصف شعبان ہو چکنے کا تحقق یوم وسط (۵) کے گزرنے سے ہوتا ہے نہ کہ اس سے پہلے تو آگے کو روزہ رکھنے سے نہی ہوئی اور اس سے پہلے کی نہی نہیں اور نصف سے پہلے (۱) جو حکم یہاں سے نکلتا ہے (۲) ایک پر تو حدیث کے الفاظ دلالت کرتے ہیں (۳) روزہ نہ رکھو کے حکم میں فقہاء متفق ہیں یہ نہی حرمت کے لئے نہیں (۴) سنن ابی داؤد: ۲۳۳۷، مشکوٰۃ المصابیح: ۱۹۷، کنز العمال: ۲۳۸۵۷ (۵) شعبان کا درمیانی دن گزرنے کے بعد سے ممانعت ہے پہلے نہیں۔

میں خود یوم نصف شعبان بھی داخل ہے تو اس میں اشارہ ہو گیا۔ (عدم النہی عن صوم یوم النصف) ^(۱) کی طرف رہا یہ کہ جب اس سے نہی نہیں تو وہ جائز ہے یا مستحب سو جواز اور استحباب فی نفسہ دونوں متحمل ہو سکتے ہیں ^(۲) اس کے لئے دوسری دلیل کی ضرورت ہے سو دوسرے دلائل سے معلوم ہوا ہے کہ نصف شعبان کا روزہ مستحب ہے۔

تو اب شعبان میں تین جزو ہیں ایک خاص یوم نصف شعبان دوسرا اس کے قبل تیسرا اس کے بعد تینوں کا حکم جدا جدا ہے، ^(۳) نصف سے قبل کا روزہ تو جائز ہے یعنی بلا استحباب خاص اور بلا کراہت ^(۴) جیسے اور ایام کے روزے ہیں ویسے ہی قبل نصف شعبان کے روزے ہیں۔ ان میں تخصیص کوئی نہیں، ہاں روزہ رکھنے سے ثواب ملے گا اور نفس روزہ کی فضیلت حاصل ہوگی کیونکہ سوائے ایام مہینہ کے سب دنوں میں روزہ رکھنا جائز ہے۔ دوسرا جزو خاص نصف شعبان جس کو پندرہ تاریخ کہتے ہیں اس کا روزہ مستحب ہے تیسرا بعد نصف اس میں روزہ کی نہی ہے ^(۵) گوارشادی حدیث میں نصف شعبان ^(۶) کے روزہ کی فضیلت کے ساتھ پندرہویں رات کی بھی فضیلت آئی ہے اور پندرہویں رات سے مراد وہ رات ہے جو چودہ تاریخ گزر کر رات آتی ہے۔

چاند کا حساب

وجہ اس کے پندرہویں ہونے کی یہ ہے کہ شریعت میں رات کو مقدم سمجھا گیا ہے

(۱) اس سے معلوم ہوا کہ شعبان کے درمیانی دن روزہ رکھنے کی بھی ممانعت نہیں ہے ^(۲) اس میں جائز اور مستحب ہونے دونوں کا احتمال ہے ^(۳) شعبان کے تین اجزاء ہوئے ایک پندرہ شعبان ایک اس سے پہلے کا زمانہ ایک اس کے بعد کا ^(۴) پندرہ شعبان سے قبل روزہ رکھنا تو جائز ہے مستحب نہیں ہے نہ ہی مکروہ ^(۵) ممانعت ^(۶) پندرہ شعبان۔

دن پر اس لیے جب رویت ہلال شعبان ہو جاوے (۱) تو وہ رات شعبان ہی میں شمار ہوگی اس لیے جو رات ۱۴ تاریخ کے ختم ہونے پر ہوگی وہ پندرہویں رات ہوگی۔ راز اس کا یہ ہے کہ شریعت میں حساب مقرر ہے چاند سے اس لیے رات تاریخ کا جزو سابق ہے۔ (۲)

اب رہی یہ بات کہ حساب چاند سے کیوں لیا گیا ہے سورج سے کس واسطے نہیں رکھا گیا۔ جیسا کہ اور لوگوں نے سورج سے حساب رکھا ہے تو راز اس کا یہ ہے کہ چاند سے حساب رکھنے میں سہولت ہے اور حضور ﷺ شریعت سہلہ (۳) دے کر بھیجے گئے ہیں۔ یہ تو ایک ظاہری حکمت ہے، باقی اس شریعت میں جو برکات و اسرار ہیں وہ غامض بھی (۴) ایسے ہیں جو افلاطون کی سمجھ میں بھی نہیں آسکتے اور ظاہری آثار سہل بھی ایسے ہیں کہ اتنی سہولت کسی اور طریق میں نہیں ہو سکتی۔ دونوں پہلوؤں پر نظر کر کے یہ شعر یاد آتا ہے۔

بہار عالم حسنش دل و جاں تازہ میدارد

برنگ اصحاب صورت را ببو ارباب معنی را

”اس کے عالم حسن کی بہار ظاہر پرستوں کے دل و جان کو رنگ سے اور

حقیقت پرستوں کے دل و جان کو بو سے تازہ رکھتی ہے“

جیسے بعض حسین کہ ان میں ظاہری آب و تاب اور دلکشی بھی ہوتی ہے گو

سرسری نظر سے دیکھا جائے اور اگر تدقیق کی جائے (۵) تو باطناً بھی بے حد اچھے معلوم

ہوتے ہیں۔ شریعت کی ایسی ہی مثال ہے کہ ظاہری حسن بھی ہے اور باطنی حسن بھی

اور بعض وہ حسین ہیں کہ ظاہری آب و تاب تو ان میں ہے مگر تدقیق کی جائے تو ان

(۱) جب شعبان کا چاند نظر آجائے (۲) اس لئے رات اس دن کا گذرا ہوا جزو ہے (۳) آسان شریعت

(۴) وہ ایسی باریک اور پوشیدہ حکمتیں ہیں کہ افلاطون کی سمجھ میں بھی نہیں آسکتیں (۵) گہری نظر سے دیکھا جائے۔

میں حسن باطنی نہیں ہوتا، پختگی نہیں ہوتی، ایک وہ ہیں کہ جوں جوں ان میں تدقیق کی نظر کی جائے دقائق حسن کے بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں۔^(۱) ظاہر بھی دلربا ہے اور باطن بھی ایسا جانفزا ہے کہ حد و حساب ہی نہیں، شریعت غرا کے سارے احکام ایسے ہی ہیں۔ چنانچہ میں جس کا ذکر کر رہا ہوں وہ بھی ایسا ہی ہے کہ مولانا محمد یعقوب صاحب فرمایا کرتے تھے۔

چاند سے حساب رکھنے کی حکمتیں

کہ شریعت میں جو چاند سے حساب رکھا ہے اس میں یہ بھی راز ہے کہ اگر تمام لوگوں کو کبھی سہو مسلط ہو جائے یعنی کسی کو بھی تاریخ یاد نہ رہے تو آفتاب سے کوئی ذریعہ تاریخ معلوم کرنے کا نہیں ہو سکتا۔ اس سے عام شورش پھیل جائے^(۲) اور چاند ایسی چیز ہے کہ اول تو اس کی کمی اور زیادتی کو دیکھ کر روزانہ تاریخ کا بھی اندازہ ممکن ہے اور اگر پریشانی بھی ہوگی تو ختم ماہ تک ہوگی۔ چاند ہو جانے پر پھر حساب جاری ہو سکتا ہے بخلاف سورج کے کہ اس میں یہ صورت نہیں ہو سکتی۔ پس چاند کا حساب سہل ہے عامی تک حساب لگا سکتا ہے^(۳) جو اس امت کے مناسب ہے کیونکہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: (نحن امة امیة لا نکتب ولا نحسب)^(۴) جو امر کو دوسروں کے نزدیک عیب ہے وہ اس امت کے لئے ہنر شمار کیا گیا ہے وہاں گھڑیوں، جنتزیوں، آلات رصد کی ضرورت ہے یہاں ان بکھیڑوں کی حاجت نہیں یہاں افلاطون اور دیہاتی سب برابر ہیں۔ یعنی سب آسانی سے حساب کر سکتے ہیں کوئی وقت ہی نہیں۔

(۱) جتنا جتنا غور سے دیکھا جائے اتنی ہی حسن کی باریکیاں کھلتی جاتی ہیں (۲) سب پریشانی میں مبتلا ہو جائیں گے (۳) چاند کا حساب آسان ہے ایک عام آدمی بھی حساب لگا سکتا ہے (۴) ہم امی امت حساب کتاب نہیں جانتے۔

ایک اور دقیق حکمت ہے (۱) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خدائی احکام ہیں وہ یہ کہ اس میں تمام عالم کی رعایت ہے اور جس قانون میں رعایت تمام عالم کی ہو وہی خدائی قانون ہو سکتا ہے، شریعت ہی ایسا قانون ہے جس میں تمام عالم کی رعایت ہے۔

مثلاً روزہ ہی ہے اگر اس کا حساب سورج سے ہوتا مثلاً مئی یا جون میں سے کوئی مہینہ اس کے لئے معین ہوتا تو جس موقع پر مئی جون میں گرمی ہوتی ہے اس جگہ روزے ہمیشہ گرمی میں رہا کرتے اور جہاں سردی ہوتی ہے وہاں سردی ہی میں ہمیشہ رہتے، پس کسی جگہ کے باشندوں پر تو روزے ہمیشہ گرمی میں ہوتے ہیں اور کسی جگہ کے لوگوں کے لئے سردی ہی میں رہتے، تمام عالم کے لئے سہولت تو اس میں ہے کہ جہاں اب گرمی میں تھے بھی آئندہ ان کے لئے سردی میں ہو جائیں اور جس جگہ اب سردی میں تھے وہاں آئندہ گرمی میں ہو جائیں تاکہ ہر موسم کی حالت پیش نظر رہے اور یہ چاند کے حساب میں ہو سکتا ہے، سورج کے حساب میں یہ صورت ممکن نہیں، تمام عالم کے لئے سہولت ہونا یہ برکت باطنی ہے، باقی تمام اسرار کا احاطہ (۲) کون کر سکتا ہے۔ غرض پندرہویں شب وہ ہے جس کی صبح کو تاریخ ہو اس رات کو قیام کرو اور دن کو روزہ رکھو، حدیث میں اس کو تصریحاً بیان کیا گیا ہے۔

پندرہویں شعبان کی عبادت

اب رہی یہ بات کہ اس شب میں کون سی عبادت کرنا چاہیے تو اس کی بابت حدیث میں کوئی عبادت خاص منقول نہیں کہ نوافل ہی پڑھے یا قرآن شریف

(۱) ایک اور باریک حکمت ہے چاند کے حساب اختیار کرنے میں (۲) باقی اس حساب کے اختیار کرنے میں اور کیا کیا راز ہیں وہ سارے کون بیان کر سکتا ہے۔

ہی کی تلاوت کرے، وغیرہ وغیرہ۔ جو کسی عبادت میں سہولت معلوم ہو اس کو اختیار کر لے باقی بزرگوں سے جو کوئی خاص عبادت منقول ہے۔ مثلاً بعض کا اپنے مریدین کو نوافل معین کر کے بتلانا تو اس میں انہوں نے بعض کے اعتبار سے سہولت کا لحاظ رکھا ہے اور ان مریدین کے مناسب وہی عبادت ہوگی کیونکہ بعض اوقات اگر معین کر کے نہ بتلایا جائے تو کام سہولت نہیں ہو سکتا۔ اس لئے بزرگوں نے ایک مناسب حال طریقہ تجویز کر کے بتلادیا، تعلیم تو اس بنا پر ہوئی تھی مگر مریدوں میں جاہل زیادہ ہوتے ہیں کیونکہ عالم اول تو بہ نسبت جہلا کے ہیں ہی بہت کم، دوسرے وہ مرید بھی بہت کم ہوتے ہیں گواہ ہونے لگے ہیں اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ مولوی درویشی کے خلاف ہیں، مولوی درویشی کے خلاف نہیں ہیں مگر وہ کسی کو درویش کم سمجھتے ہیں اس لئے مرید بھی کم ہوتے ہیں۔

غرض جہلاء نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اس رات میں یہی عبادت متعین ہے دوسری نہیں۔ سو یہ غلط ہے جو بات قرآن و حدیث سے ثابت نہ ہو وہ بدعت یا زندقہ ہے، باقی بزرگوں کی طرف ہمیں حسن ظن ہے کہ انہوں نے قرآن اور حدیث کے خلاف نہیں بتلایا بلکہ انہوں نے کسی شخص کی مناسبت کے لحاظ سے اس کے لئے خاص طور پر اس طریق کو مناسب سمجھ کر بتلادیا ہوگا، خوب سمجھ لو کہ اس رات میں کوئی عبادت خاص منقول نہیں، خواہ وعظ سنو، خواہ نوافل پڑھو، خواہ تلاوت کرو، اختیار ہے اور یہ جو ارشاد فرمایا کہ ”صوموا نہارھا تو یہ امر بھی استحبائی“ (۱) ہے یعنی روزہ پندرہویں کا مستحب ہے، فرض و واجب نہیں غرض قوموا لیلھا (۲) سے اس رات کی فضیلت معلوم ہوگئی اور حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس رات میں آسمان دنیا پر نزول فرماتے ہیں (جس قسم کا نزول ان کی شان کے موافق ہو ہمارے جیسا

(۱) اس حکم سے بھی اس عبادت کا مستحب ہونا ثابت ہوتا ہے (۲) اس رات میں قیام اللیل یعنی نفلیں پڑھو۔

نزول مراد نہیں) اور فرماتے ہیں۔ ”هل من داع فاستجيب له هل من مستغفر فاغفر له“ (۱) صبح تک یہی کیفیت رہتی ہے۔

زمان اور مکان کے اعتبار سے گناہ کا درجہ

اب ایک اور مدعا کی طرف متوجہ کرتا ہوں، جس کا ایک مقدمہ تو یہ ہے کہ اس رات میں فضیلت ہے، ایک دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ جس میں فضیلت ہوگی، اس میں معصیت (۲) بہ نسبت دوسرے اوقات کے بہت بڑی ہوگی جیسے مکان کا حکم ہے اسی طرح زمان کا حکم ہے۔ مثلاً ایک تو گناہ معمولی جگہ پر کرنا اور ایک مسجد میں کرنا مسجد میں گناہ کرنا زیادہ برا ہے۔ اسی طرح ایک تو گناہ کرنا دوسرے اوقات میں اور ایک متبرک اوقات مثلاً رمضان شریف میں گناہ کرنا یہ بہ نسبت دیگر ایام (۳) کے بہت برا ہے اور یہ رات بھی متبرک ہے تو اس میں گناہ اور اوقات سے اشد ہوگا (۴) اور جو گناہ اس رات میں کیے جاتے ہیں وہ دو قسم کے ہیں ایک وہ جو کہ برنگ عبادت نہیں ہیں اس کا برا ہونا بالکل ظاہر ہے۔ جیسے اس رات میں آتش بازی چھوڑی جاتی ہے جس کی وہی مثل ہے کہ گھر پھونک تماشا دیکھ، اس میں کبھی ہاتھ جل جاتے ہیں اور مال اور جان دونوں کا نقصان ہوتا ہے۔ پس علاوہ معصیت ہونے کے اس میں دنیا کا بھی تو نقصان ہے۔

گناہ بشکل عبادت

دوسری قسم معصیت (۵) جو کہ برنگ عبادت ہے وہ کیا ہے بدعت چنانچہ اس رات میں ایک بدعت بھی عوام میں جاری ہے اگرچہ ہمارے یہاں نہیں ہے مگر بعض بوڑھیاں اب بھی جاری کیے ہوئے ہیں جیسے حلوہ اور چونکہ بدعت میں مزہ بہت ہے اس (۱) کوئی دعاء مانگنے والا ہے کہ میں اس کی دعاء قبول کروں کوئی مغفرت طلب کرنے والا ہے کہ میں اس کو معاف کروں (۲) گناہ (۳) دوسرے دنوں کے مقابلہ میں (۴) سخت (۵) گناہ۔

لیے تاویلیں کر کے اس کو جائز کرنا چاہتے ہیں اور منع کرنے سے نہیں مانتے۔ غرض چونکہ اس کے اندر لطف ہے اور شیوع ہے (۱) اور چونکہ بدعت بھی ایک معصیت ہے اس شب بابرکت میں ان معاصی کا ارتکاب اشع ہوگا (۲)۔ یہ اس ماہ کا دوسرا جزو ہے۔

علل و حکم پوچھنے کا مرض

اس ماہ میں تیسرا جزو اور ہے یعنی نصف شعبان کے بعد کا جو زمانہ ہے جس کا ذکر اس حدیث میں ہوا ہے اس میں روزہ کی ممانعت ہے جس کی وجہ معلوم کرنے کا شاید سامعین کو انتظار ہو کیونکہ آج کل اسرار کی تفتیش کا بہت زور ہے (۳) ہر حکم کے متعلق لوگ پوچھتے ہیں کہ اس حکم کی کیا وجہ ہے اور اس کی کیا علت ہے۔ بعض لوگ تو یہاں تک پوچھتے ہیں کہ سور کیوں حرام ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ غرض ہر چیز کی علت پوچھتے ہیں۔ میں نے ایک شخص کو لطیفہ کا جواب دیا تھا۔ اس نے لکھا تھا کہ فلاں حکم میں کیا حکمت ہے؟ میں نے جواب لکھا کہ آپ کے سوال عن الحکمۃ میں کیا حکمت ہے (۴) بتلائیے؟ بس ختم ہو گئے تو میں ایسے سوالات کا جواب نہیں دیا کرتا اور علماء کو بھی اس سے منع کرتا ہوں۔ بعض لوگوں کو ایسے سوالات کے جواب نہ ملنے پر شبہ ہوتا ہے کہ ہم اگر علت دریافت کریں یا علماء خود ہی وجہ بیان کر دیں تو کیا قباحت ہے (۵)؟ آخر مجتہدین نے بھی تو احکام کی علمتیں بیان کی ہیں تو بات یہ ہے کہ جب بندر آدمی کی نقل کرے گا تو اسی کا کچلا ہو جائے گا۔

جدید مجتہدین کی مثال

چنانچہ ایک قصہ ہے کہ کسی جگہ بڑھئی لکڑی چیر رہے تھے، قریب ہی ایک

(۱) عام ابتلاء ہے (۲) بہت برا ہوگا (۳) احکام کی حکمتیں معلوم کرنے کا بہت شوق ہے (۴) آپ کے اس حکم کی علت سے متعلق سوال کرنے میں کیا حکمت ہے (۵) کیا برائی ہے۔

بندر بیٹھا ہوا تھا، وہ اتفاق سے ایک کام کو چلے گئے، بندر کو نقل کی عادت ہوتی ہے وہ اس لکڑی پر آکر بیٹھ گیا اور اس نے ان کی نقل کرنی چاہی۔ اس لکڑی میں لکڑی کی میخ ٹھکی ہوئی تھی (۱) تاکہ آ رہ چلنے کی جگہ رہے اس کے بعض اعضاء (یعنی فوطے) اس لکڑی کے اندر آ گئے، اب جو بندر نے اس پر بیٹھ کر زور کر کے میخ (۲) نکالی تو لکڑی کے دونوں پٹ آپس میں مل گئے اب یہ رہ گئے تڑپتے ہوئے اتنے میں بڑھی آ گئے، انہوں نے یہ حال دیکھ کر خوب خبر لی، سرکا کچلا ہو گیا۔

کار بوزینہ نیست نجاری

”بندر کا کام ترکھان کا نہیں“

تو صاحبو! اسی طرح آپ مجتہدین کی نقل کرتے ہیں یہ کیا ضرور ہے کہ جس نوع کا کام مجتہدین کرتے وہ آپ سے بھی بن سکے۔

کارپا کاں را قیاس از خود مکیر گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر
جملہ عالم زیں سبب گمراہ شد کم کسے ز ابدال حق آگاہ شد
ہمسری بانبیاء برداشتند اولیاء راہم چو خود پنداشتند
”بزرگوں کے افعال کو اپنے اوپر قیاس مت کرو اگرچہ ظاہر میں دونوں
کے فعل یکساں ہیں جس طرح لکھنے میں شیر اور شیر یکساں ہیں۔ تمام دنیا اسی خام
خیالی کی وجہ سے گمراہ ہو گئی کہ انہوں نے اولیاء اللہ کو نہیں پہنچانا خدا کے پیغمبروں کی
برابر اور ہمسری کا دعویٰ کیا اور اولیاء اللہ کو اپنے جیسا گمان کیا۔“

تقلید فعلی کی ممانعت

صاحبو! اجمالاً اتنا سمجھ لو کہ بزرگوں کے قول کی تقلید کرنا چاہیے ان کے
افعال کی نہیں کرنا چاہیے باقی مولانا کے کلام میں جو یہ شعر ہے۔

(۱) لکڑی کی ایک موٹی سے کیل بنا کر اوپر ٹھوک رکھی تھی (۲) کیل۔

خلق را تقلید شاں برباد داد کہ دو صد لعنت بریں تقلید باد
 ”مخلوق ایسوں کی تقلید سے برباد ہوئی ایسوں کو تقلید پر دو سو لعنت“

جس سے ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ تقلید بالکل نہیں ہونی چاہیے نہ قول میں نہ فعل میں۔ چنانچہ بعض غیر مقلدین اس کو استدلال میں پیش کیا کرتے ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ مولانا تقلید قوی پر لعنت نہیں کرتے بلکہ تقلید فعلی پر ہی کرتے ہیں۔ چنانچہ اس قصہ میں تقلید فعلی ہی کا ذکر ہے اس کے بعد یہ شعر لائے ہیں تو لعنت بھی اسی پر ہے اور کسی کا تو کیا ذکر ہے۔ جب حضور ﷺ کی بھی تقلید علی الاطلاق نہیں ہے الا بعد تحقیق عدم الاختصاص (۱) تو اوروں کے فعل میں تو کہاں گنجائش ہوگی کیونکہ ممکن ہے کہ حضور ﷺ کا فعل آپ ﷺ کی ذات مبارک کے ساتھ خصوصیت رکھتا ہو۔ (۲)

اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک طبیب سکھیا (۳) کھا رہا ہو اور ایک جاہل شخص اس کو دیکھ کر سکھیا کھانے لگے۔ اگر کوئی اس سے کہے کہ تو سکھیا کیوں کھاتا ہے وہ اس پر یہ جواب دے کہ فلاں طبیب کو میں نے سکھیا کھاتے ہوئے دیکھا ہے اس لئے میں بھی کھاتا ہوں تو اس کو یوں کہا جائے گا کہ تجھ کو اس کے فعل کی تقلید ہرگز درست نہیں کیونکہ طبیب سکھیا کھائے گا تو اس کو ضرر نہ کرے گا (۴) کیونکہ وہ اس کے کھانے کی تدبیر سے واقف ہے اور جاہل کھا کرتا ہوگا۔ یہ مثال ہے تقلید فعلی کی۔

اب یہ کہنا غلط ہے کہ ہم تو بزرگوں کے فعل کی تقلید کرتے ہیں کہ انہوں نے بھی احکام کی علل اور حکمتیں بیان کی ہیں اسی طرح ہم بھی بیان کرتے ہیں۔ یہ تو اجمالی جواب ہے اور تفصیلی جواب یہ ہے کہ انہوں نے بضرورت تعدیہ حکم مسکوت عنہ کے حکم

(۱) حضور ﷺ کے فعل کی تقلید بھی مطلقاً نہیں کی جاتی ہاں جب اس بات کی تحقیق ہو جائے کہ یہ فعل آپ کی خصوصیت نہیں تو اس کی تقلید کی جائے گی (۲) جیسے چار سے زیادہ نکاح کرنا آپ کی خصوصیت ہے دوسروں کو جائز نہیں (۳) زہر (۴) نقصان نہیں دے گا۔

منطوق کی تعلیل کی ہے^(۱) نہ کہ بلا ضرورت مصالح تراش کر ان کو احکام کی بناء قرار دیا ہے خود ساختہ علتیں بیان کرنے والوں کی مثال

پھر جو لوگ احکام کی علل اور حکمتوں کے درپے رہتے ہیں وہ دو قسم کے ہیں۔ ایک تو وہ ہیں جو علماء سے علل اور حکمتیں دریافت کرتے ہیں، دوسرے وہ ہیں کہ خود علل اور حکم بیان کرتے ہیں ان کی حالت ان سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ مجھے ایک لطیفہ یاد آیا کہ ایک صاحب نے سور کی علت بیان کی تھی کہ یہ اصل میں سوء ارہے اور سوء کہتے ہیں برائی کو چونکہ اس میں برائی ہے اس لئے حرام کیا گیا۔ آج کل ایسی علل بیان کی جاتی ہیں جس پر ہنسی آتی ہے ان صاحب سے پوچھئے کہ اس کا یہ نام ہی کیوں رکھا گیا۔ اگر احکام تابع نام کے ہیں تو کوئی شراب کا نام شراب الصالحین رکھ دے تو کیا وہ حلال ہو جائے گی۔ اور تعجب یہ ہے کہ ایسی باتوں کی کتابیں جمع ہونے لگیں اور اول تو زیادہ لوگوں کی یہی حالت ہے کہ خود علل و حکم بیان کرتے ہیں اور جوان میں محتاط ہیں وہ خیر پوچھ ہی لیتے ہیں۔

احکام کی علتیں بیان کرنے کی ضرورت

اب رہا یہ اعتراض کہ فقہاء نے ایسا کیوں کیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی ضرورت پیش آئی تھی۔ جیسا اوپر مذکور ہوا چنانچہ اسی حدیث میں جو حکم (لاتصوموا) ہے اس کی علت فقہاء نے تلاش کر کے سمجھی کہ ضعف ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے جو نصف اخیر شعبان میں روزہ سے نہی فرمائی ہے^(۲) اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت روزہ رکھنے سے کہیں ضعف نہ ہو جائے۔ پھر اس سے رمضان کے روزہ میں خلل واقع ہو۔ اس لئے حضور ﷺ نے نصف شعبان کے (۱) انہوں نے بعض ایسے احکام جن کی علت بیان نہیں کی گئی تھی لیکن اس علت کی وجہ سے وہ حکم دوسرے مقام پر بھی پایا جا رہا تھا اس علت کو ذکر کر دیا گیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہاں یہ حکم اس علت کی وجہ سے ہے جو سابقہ حکم میں ہے^(۲) شعبان کے آخری نصف میں جو روزہ کی ممانعت فرمائی۔

بعد روزہ سے نہی فرمادی۔ اب اس علت کو معلوم ہو جانے سے اس کا درجہ بھی متعین ہو گیا۔ وہ یہ کہ فی نفسہ روزہ حرام نہیں ایک عارض کی وجہ سے ممانعت ہے۔ اگر وہ عارض نہ پایا جاوے تو روزہ رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہوگا۔ مثلاً کسی کو ضعف نہ ہوتا ہو اور وہ عادی ہو ان ایام میں روزہ رکھنے کا اور روزہ رکھنے سے کوئی اثر معتد بہ رمضان میں واقع نہ ہو تو اس کو روزہ رکھنا جائز ہوگا۔

چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ رمضان شریف سے دو تین روز قبل روزہ نہ رکھے مگر جس کی عادت ہو۔ سو حاصل یہ کہ ایک تو مجتہدین کو ضرورت تھی درجہ معین کرنے کی اس لئے علل بیان کی ہیں اور ایک ضرورت حکم کے تعدیہ کرنے (۱) کی پیش آتی تھی۔ تعدیہ کی وجہ یہ ہوئی کہ قرآن و حدیث میں کلیات بیان ہوئے ہیں اور بہت سے جزئیات کی تصریح نہیں ہے۔ اب ان جزئیات کا حکم کس طرح معلوم ہو۔ اس لئے فقہاء نے احکام کی علل بیان کیں کہ جس جگہ وہ علل پائی جائیں گی حکم بھی پایا جاوے گا۔ اس طریقہ سے جزئیات کا حکم نکل آئے گا۔

اجتہاد کی ضرورت

اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اجتہاد کی اجازت قرآن و حدیث سے ثابت ہے کیونکہ اگر اجتہاد کی اجازت نہ ہوتی تو قرآن و حدیث میں کلیات مذکور نہ ہوتے بلکہ جزئیات مذکور ہوتے۔ پس کلیات کا مذکور ہونا اور جزئیات کا زیادہ مذکور نہ ہونا اجازت اجتہاد کی دلیل ہے ورنہ بتلاؤ پھر اس صورت میں جزئیات کا حکم کیسے معلوم کیا جائے گا۔ یہ دلیل منکرین پر بڑی حجت ہے تعجب ہے کہ وہ ایسے صریح مقدمات کے نتیجہ سے انکار کرتے ہیں اور اس اجتہاد کی صورت (۱) ایک اس بات کی ضرورت پیش آتی تھی کہ مذکورہ علت کی وجہ سے یہ حکم دوسری جگہ بھی پایا جاتا ہے۔

یہ ہے کہ غیر منصوص پر منصوص کا حکم جاری کیا جاتا ہے (۱) بوجہ اس تشابہ کے جو دونوں میں پایا جاتا ہے جو اشتراک ہوتا ہے کسی وصف میں، جس غیر منصوص میں وہ وصف پایا جائے گا منصوص کا حکم وہاں بھی متعدی کیا جاویگا، اس طرح سے جزئیات غیر منصوصہ کا حکم معلوم ہو جاوے گا یہ صورت ہے تعدیہ کی۔

پس مجتہدین کو تو بیان علل کی یہ ضرورت پیش آئی ہمیں کیا ضرورت ہے؟ کیونکہ اب تو احکام مدون ہو چکے ہیں ہاں ہم اب بھی ان جزئیات میں اجتہاد کی اجازت دیتے ہیں جو مدون نہیں ہیں۔ مگر ان جزئیات غیر مدونہ میں بھی ہر شخص کو اجتہاد کی اجازت نہیں ہو سکتی تا وقتیکہ وہ اس کا اہل نہ ہو۔

اس جزئی غیر مدون کی ایک مثال آج کل ہوائی جہاز ہے کہ پہلے یہ تھے ہی نہیں، اس کے بارے میں میرے قلب میں یہ خیال آیا تھا کہ اس کو پانی کے جہاز پر قیاس کرنا صحیح نہیں کیونکہ آبی جہاز مستقر ہے زمین پر اگرچہ بواسطہ سہی (۲) اس طرح کے پانی جہاز کو اٹھائے ہوئے ہے اور پانی کو زمین اٹھائے ہوئے ہے، تو اس پر نماز گویا زمین پر پڑھنا ہے، اور ہوائی جہاز کو ہوا پر استقرار نہیں ہے نہ ہوا کہ زمین پر استقرار ہے۔ چنانچہ ظاہر ہے تو پھر اس پر نماز کیسے جائز ہوگی اب ضرورت ہوگی اجتہاد کی۔

میں نے ایک تحریر میں اس کا جواب لکھا ہے اور ہوائی سفر میں قصر کا مسئلہ بھی لکھا ہے۔ یہ میں نے اس لیے کہا کہ علماء اس جانب توجہ کریں۔ آج کل تو یہ غضب ہے کہ احکام منصوصہ تعدیہ کی بھی حکمت پوچھتے ہیں اور بزم خود بزرگوں کی تقلید کرتے ہیں۔ سو یہ اول تو تقلید نہیں دونوں کا فرق اوپر ظاہر کر چکا ہوں

(۱) جس چیز کا حکم قرآن وحدیث میں مذکور نہیں علت میں اشتراک کی وجہ سے اس پر وہ حکم لگایا جائے جو قرآن وحدیث میں مذکور ہے (۲) پانی کا جہاز زمین پر ٹھہرا ہوا ہے اگرچہ بواسطہ پانی ہی کے ہو۔

اور تقلید ہی فرض کی جاوے تو تقلید قولی چاہیے فعلی نہیں چاہیے۔ جو شخص کسی ضرورت سے پلاؤ کا پکانا سیکھتا ہو اور پکانا نہ جانتا ہو اس کو تو ضرورت ہو ترکیب سیکھنے کی یہ ضرورت پیش آتی ہے مجتہد کو باقی جسے کھانا ہی ہو اس کو پکانے کی ترکیب پوچھنے کی کیا ضرورت ہے یہ حالت ہماری ہے۔ سو ہمیں عمل کے لئے احکام معلوم کرنے کی ضرورت ہے۔ علت یا حکمت دریافت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

مداومت کی برکات

علاوہ اس کے اس میں ایک ضرر بھی ہے وہ یہ کہ علت حکمت معلوم ہو جانے کے بعد طاعت کی عظمت کا وہ اثر قلب پر نہیں ہوتا جو بدون اس کے معلوم کیے عمل کرنے سے ہوتا ہے، پس تم احکام کی حکمت معلوم کر کے اس عظمت کو کیوں کھوتے ہو اور اگر ایسا ہی علم اسرار کا شوق ہے تو اسکی بھی یہی صورت ہے کہ پہلے بدون معلوم کیئے ہی عمل شروع کر دو، کام کرتے کرتے برکات و اسرار خود ہی محسوس ہونے لگتے ہیں۔ ابتداء تو کچھ بھی نہیں ہوتا، اگر تم نماز اس طرح پڑھو جس کا نام نماز ہے تو اکثر اس کے اسرار بھی معلوم ہو جاتے ہیں گو مقصود نہیں مگر یہ ابتداء ہی سے نہیں ہو سکتا۔

دیکھئے، پینے کا بچہ جس وقت ہوش سنبھالتا ہے تو پینے اسی وقت سے اس کو کمانا سکھاتے ہیں۔ مثلاً اس کو اول ہی سے حلوہ وغیرہ بیچنا شروع کر دیتے ہیں۔ مگر اس حالت میں اس کو کچھ بھی مزا نہیں آتا بلکہ اس وقت کلفت (۱) معلوم ہوتی ہے مگر یہ سب کچھ اسی خیال سے کراتے ہیں کہ آئندہ اس کو مزہ آوے گا۔ پھر آہستہ آہستہ اور کام اس کے سپرد کرتے ہیں۔ پھر ایک وقت اس پر ایسا آتا ہے کہ اس کو مزہ آنے لگتا ہے اور اس کام کے اسرار خود ہی کھلتے جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ اس کام کو چھوڑنا گوارہ نہیں کرتا۔

(۱) پریشانی۔

صاحبو! اسی طرح تم بھی کام کرتے رہو، کام خود برکات کو نمایاں کر دے گا جس کام پر مداومت^(۱) مع اس کی شرائط کے کی جاتی ہے خود وہ عمل ہی اپنی حقیقت بتلا دیتا ہے۔ جب تم پر کام کرتے کرتے حقائق منکشف ہوں گے تو کام لینے والوں کو دعا دو گے۔ چنانچہ میرے دل سے والد ماجد صاحب کے لئے دعا نکلتی ہے کہ وہ ہمیں دین پڑھا گئے تھے۔ اب اس کے برکات محسوس ہونیں حالانکہ جس وقت ہم نے عربی شروع کی تھی اور قال قالوا کی گردان کرتے تھے تو بڑی تنگی اور کلفت ہوتی تھی اب اس کی قدر معلوم ہوتی ہے۔

چنانچہ میری تائی صاحبہ کہ انہوں نے مجھ کو پرورش کیا تھا ایک روز کہنے لگیں کہ تجھے یاد بھی ہے کہ تو یوں کہا کرتا تھا کہ تائی! عربی نکالے چربی، تو واقعی ایک وہ وقت بھی تھا اور اس وقت اس کی قدر و منزلت معلوم نہ تھی مگر والد صاحب کے حکم سے اس میں لگے رہے تو خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ اب کتابوں کے پڑھنے کا نام ہو گیا۔ گو جسے علم کہتے ہیں وہ اب بھی حاصل نہیں ہوا مگر اس ناتمام ہی علم پر بے انتہا خوشی ہوتی ہے اور والد صاحب کے لئے دعا نکلتی ہے۔

حضرت یہی حالت ہر عمل کی ہے کہ ابتداء میں تو تنگی پیش آتی ہے اس وقت نہ اسرار و برکات منکشف ہیں نہ معلمین کی قدر دل میں ہوتی ہے۔ پھر جب مداومت کی جاتی ہے اور اسرار و برکات کے کھلتے ہیں تو راہ پر لگانے والوں کے حق میں دعا نکلتی ہے۔ بس کام کرنا حکمتوں کے معلوم ہونے پر موقوف نہیں بلکہ حکمتیں معلوم کرنا عمل پر موقوف ہے۔ حکمتیں تو مداومت سے خود معلوم ہو جاویں گی۔

اس کی ایسی مثال ہے جیسے نابالغ بچہ سے کہا جائے کہ شادی کر لے تو وہ اس کو مصیبت سمجھے گا اور کہے گا کہ کون گلے میں طوق ڈالے۔ اگر اس کی شادی کر

(۱) جو کام ہمیشہ اس کی شرائط کی پابندی کے ساتھ کیا جائے۔

بھی دی جائے تو بی بی کی صورت دیکھ کر ہی گھبرائے گا مگر جب ذرا جوانی کا سرسراہٹ اٹھے گا اور شادی کے اسرار معلوم ہوں گے تو شادی کرانے والوں کو دعا دے گا۔ حضرت نماز روزہ کرنے والے بھی بالغ نہیں ہوئے، ابھی تو یہ حالت ہے۔

خلق اطفالند جز مست خدا نیست بالغ جز رہیدہ از ہوا
”ساری مخلوق سوائے مست خدا کے بچوں کے مانند ہے، بالغ وہ ہے جو خواہشات نفسانی سے بچ جائے“

بزرگوں نے ایک لطیفہ لکھا کہ بالغ طبی وہ ہے کہ جس میں سے منی نکلنے لگے اور طریق کا بالغ وہ ہے جس میں سے منی نکل جاوے (یعنی خودی) یہ معنی ہیں ”نیست بالغ جز رہیدہ از ہوا“ کے۔ پھر تو یہ حالت ہوتی ہے کہ بی بی کے لئے محنت مشقت سے کمانا بھی لذت ہے حتیٰ کہ اس کے لئے جہنم میں بھی جانا لذت ہے۔ اس طرح کہ اس کی خوشی کے واسطے خدا تعالیٰ کو ناراض کرتے ہیں کہ بلا سے فلاں کام سے خدا ناراض ہوگا بی بی تو خوش ہوگی، اب بھی تو یہ وہی بی بی ہے جس کو یہ پہلے ڈائن خیال کرتا تھا۔ پس معلوم ہوا کہ آدمی دین کا کام کرتا رہے، پھر لذت بھی آنے لگتی ہے پھر تو ایسی دلچسپی پیدا ہوتی ہے کہ اس کے سامنے سلطنت کی بھی پرواہ نہیں کرتا۔

دولتِ نماز و روزہ

یہاں ایک نکتہ قابل بیان ہے وہ یہ کہ شاید اس مضمون کو سن کر حسرت ہوتی ہوگی کہ یہ درجہ ہم کو نصیب ہونے کی کیا امید ہے۔ سو میں بشارت دیتا ہوں کہ بحمد اللہ یہ درجہ ہر مسلمان پابند نماز کو حاصل ہے۔ خیر سلطنت تو کون دیتا ہے، کس کے قبضہ میں ہے جس کے ملنے نہ ملنے کے وقت اس درجہ کا موازنہ نہ ہو سکے

مگر یہ صورت تو ممکن ہے کہ کوئی یوں کہے کہ تم ایک وقت کی نماز چھوڑ دو ہم تمہیں دس ہزار روپیہ دیں گے تو واللہ نمازی آدمی ان پر پیشاب کر دے گا جس کو نماز کی عادت ہے وہ کبھی اس پر راضی نہ ہوگا۔ پھر بھی لوگ کہتے ہیں کہ ہم کو نماز میں مزہ نہیں آتا تو اس مثال نے تمہارے قول کو غلط کر دیا کیونکہ اگر مزہ نہیں آتا تو دس ہزار روپیہ پر اس کو کیوں ترجیح دی گئی، کچھ تو مزہ ہے جس نے اپنی طرف کھینچ لیا۔

اگر کہو کہ خدا کا خوف اس کا باعث ہوا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر صرف خدا کا خوف ہی اس کا باعث ہوتا تو ایسا نمازی زنا میں کیوں مبتلا ہو جاتا ہے، غیبت کیوں کرتا ہے، وہاں خوف کہاں چلا گیا۔ معلوم ہوا کہ یہاں صرف لذت مانع ہوئی ہے نماز کے عدم ترک کی۔ یہ تو ہم جیسوں کی نماز کا حال ہے باقی حقیقی نماز کا تو کیا کہنا ہے اس کی تو یہ حالت ہے۔

جرعہ خاک آمیز چوں مجنوں کند صاف گر باشد ندانم چوں کند
”جب شراب کا ایک مٹی ملا گھونٹ مست کر دیتا ہے تو خالص شراب کیا کچھ نہ کرے گی“

جب ہی تو خدا تعالیٰ نے عام مومنین کے لئے یہ فتویٰ دیا ہے۔
﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ﴾ ”اور ایمان والوں کو سب سے زیادہ اللہ سے محبت ہے“ شدت حب عشق ہے اس میں سب مومنین کو عاشق فرمایا ہے“

حضور ﷺ کی محبت

ایک رئیس کی حکایت ہے کہ انہوں نے مولانا ظفر حسین صاحب سے سوال کیا کہ مولانا حدیث میں ہے کہ جب تک رسول اللہ ﷺ کی محبت ماں باپ اور سب سے زیادہ نہ ہو تو مومن نہیں ہوتا۔ سو یہ درجہ محبت کا ہم اپنے دل میں نہیں پاتے۔

مولوی صاحب نے اس کا عملی جواب دیا۔ وہ اس طرح کہ رسول اللہ ﷺ کے کمالات کا تذکرہ شروع کیا، پھر اس کو بند کر کے یہ کہنے لگے کہ آپ کے والد صاحب بھی بہت اچھے آدمی تھے اور ان کی خوبیوں کا ذکر شروع کر دیا۔ رئیس صاحب جھلا کے کہنے لگے کہ حضرت میرے والد کا ذکر کہاں داخل کر دیا۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ میں نے آپ کی بات کا جواب دیا ہے کہ اگر آپ کو حضور ﷺ کے ساتھ باپ سے زیادہ محبت نہیں تو حضور ﷺ کے کمالات کے درمیان میں باپ کا ذکر کیوں ناپسند ہوا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کی محبت باپ سے زیادہ ہے۔ رئیس صاحب کی آنکھیں کھل گئیں، شبہ رفع ہو گیا۔

میں کہتا ہوں کہ عامی سے عامی کو بھی محبت شدیدہ ہے اللہ و رسول ﷺ کی مگر اس کا اظہار موقع پر ہوتا ہے۔ صاحبو! تمہارے اندر سب مادے موجود ہیں مگر ان کے صاف کرنے کی ضرورت ہے۔ جیسے سونا زمین ہی سے نکلتا ہے مگر سونے کے ٹکڑے نہیں ہوتے بلکہ اس کے ذرے مٹی میں ملے ہوتے ہیں اور ذروں کو مٹی سے صاف کر کے اور پگھلا کر سونے کے ڈھیلے بناتے ہیں، ایسے ہی اپنے کو صاف کرو، کندن نکل آوے گا، اپنے کو بے دولت مت سمجھو تم دولت مند ہو، اس لئے تمہیں در یوزہ گری (۱) کی ضرورت نہیں، تمہارے اندر سب کچھ موجود ہے اور تمہاری وہ حالت ہے جیسے مولانا فرماتے ہیں:

یک سبد پرناں ترا برفرق سر تو ہی جوئی لب ناں در بدر
”تیرے سر پر روٹیوں کا ایک ٹوکرا موجود ہے اور تو روٹی کے ایک ٹکڑے کے لئے در بدر پھر رہا ہے“

(۱) بھیک مانگنے کی ضرورت نہیں۔

ہماری مثال

تمہاری ایسی مثال ہے جیسے ایک حکایت لکھی ہے کہ کسی نے ایک گھر خریدا اس کی دیوار میں ایک گھڑا سونے کا گڑا ہوا تھا، مگر اس شخص نے اس کو کھودا نہیں، اس وجہ سے کہ دیوار میں ایک گڑھا ہو جائیگا، حالانکہ اس کو چاہیے تھا کہ گھڑے کو نکال لیتا کیونکہ اس کے مل جانے سے ویسے ویسے دس گھر بن جاتے اور گھڑا ہونے کا خیال لغو تھا۔ اسی طرح یہ جسم ایک دیوار ہے اور اس کے اندر سونا ہے اس کو نکال کر پھر جسم کو ویسا ہی بنالینا اور اس کی یہ صورت ہے جیسے مولانا فرماتے ہیں:

صحت اس حسن معموری تن صحت آں حسن تخریب بدن
”اس حسن کی صحت بدن کے لئے عمدہ غذاؤں کا استعمال ہے اور اس حسن کی صحت بدن کو مجاہدات میں ڈالنا ہے۔“

پہلے اپنے جسم میں گڑھا کرو، اس کو مجاہدات سے دہلا کرو، اس کے بعد سونا نکلے گا مگر اس تخریب کی بھی ایک حد ہے جس کو جاننے والے بتا سکتے ہیں۔ بہر حال انسان کے اندر سب خزانے موجود ہیں ان کو ظاہر کرنے اور صاف کرنے کی ضرورت ہے۔ بس یہی نماز اور یہی روزہ جس کو ہم بے کار سمجھتے ہیں بڑی دولت ہے۔

تواضع میں غلو

بعض لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ کیا ہماری نماز اور کیا ہمارا روزہ، یہ کہنا واہیات بات ہے (۱) بہت تواضع اچھی نہیں ہوتی ناشکری ہو جاتی ہے۔

حد سے زیادہ تواضع پر ایک حکایت یاد آئی۔ میں الہ آباد سے کان پور کا

(۱) بُری بات ہے۔

سفر کر رہا تھا۔ اسی درجہ میں چند جنٹلمین بیٹھے تھے۔ ان میں بے چارے منصف بھی جو اس مجمع کے نہ تھے آبیٹھے جو کہ بہت سیدھے سادھے تھے، انہوں نے خواہ مخواہ ان لوگوں کی کمیٹی میں داخل ہونا چاہا چونکہ سیدھے تھے ان جنٹلمینوں نے ان کو کمیٹی میں داخل کر کے ان کی خوب گت بنائی۔ (خوب مذاق اڑایا) چنانچہ کھانا کھاتے میں ایک شخص نے ان سے کہا کہ آئیے آپ بھی گوہ موت کھالیجئے۔ دوسرے جنٹلمین نے اس کو ٹوکا اور کہا کہ آپ کھانے کو گوہ موت سے تعبیر کرتے ہیں۔ جنٹلمین صاحب بولے کہ حضرت ہمارا کھانا اس حیثیت سے کہ ہمارا ہے اس کو کھانا نہ کہنا چاہیے، یہ تکبر ہے۔ بھلا ہم میں کہاں لیاقت ہے آپ کو کھانا کھلانے کی بس تو انصافاً اسے گوہ موت ہی کہنا چاہیے۔

تو جیسی یہ تواضع تھی ایسی ہی ہماری تواضع ہے جو کہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہماری نماز اور روزہ کیا ہے کچھ نہیں۔ بات یہ ہے کہ حد سے بڑھی ہوئی تواضع بھی اچھی نہیں ہوتی۔ پس اپنے نماز روزہ کو یہ خیال کرنا کہ ہماری نماز روزہ کس قابل ہے گو تو انصافاً ہی ہوا چھان نہیں ہے۔

حضرت یہ نماز روزہ عطا ہے حق تعالیٰ کی، ہم میں قابلیت اتنی بھی نہیں کہ ایمان بھی نصیب ہو۔ یہ سب چیزیں خدا تعالیٰ کی نعمت ہیں۔ خدا کے ذمہ آپ کا چاہتا ہی کیا تھا کہ جو یہ عطا ہوئی یہ سب حقیقت ناشناسی ہے۔ بس یہ سب نعمتیں بھی ہیں اور واقعی ان چیزوں میں لذت بھی ہے، کر کے دیکھو، حکمت معلوم ہونے کے درپے نہ ہونا چاہیے، وجہ اس کی وہی ہے جو ابھی مذکور ہوئی تھی کہ عام لوگوں کو حکمت معلوم نہ ہونے سے احکام کی عظمت زیادہ ہوتی ہے۔ یعنی جو محض خدا کا حکم سمجھ کر کرتا ہے اس کے قلب میں وقعت ہوتی ہے اعمال کی۔ مولانا فرماتے ہیں:

گرچہ تفسیر زباں روشن گرسٹ لیک عشق بے زباں روشن ترست
 ”اگرچہ زبان کا بیان روشن گر ہے لیکن عشق بے زباں زیادہ روشن ہے
 کیونکہ وہ امور ذوقیہ میں سے ہے جس کو زبان سے اچھی طرح بیان نہیں کیا جاسکتا“
 وہی سچا عاشق ہے جو علل و حکم کے درپے نہ ہو، باقی مجتہدین اس سے مستثنیٰ
 ہیں کیونکہ وہ عمل شروع کرنے کی حکمت تلاش نہیں کرتے، نہ علت پر عمل کو موقوف
 رکھتے ہیں بلکہ تعدیہ و استنباط احکام کے لئے علل دریافت کرتے ہیں۔^(۱) بہر حال
 فرق معلوم ہو گیا مجتہدین میں اور ہم میں۔

پس حضور ﷺ نے جو نبی فرمائی بعد نصف شعبان کے روزہ رکھنے سے گواس
 کی حکمت معلوم کرنے کی ضرورت نہیں۔ جیسا مفصلاً مذکور ہوا لیکن اگر تبرعاً بزرگوں کے
 قول کو نقل کر دیا جائے اس طرح سے کہ عمل کا موقوف علیہ نہ ہو تو مضائقہ بھی نہیں۔

شریعت کی رعایت

سو وہ حکمت یہ ہے کہ نصف شعبان کے بعد روزہ نہ رکھنے سے قوت
 حاصل ہوگی رمضان پر اور اس حکمت سے اس کا درجہ بھی متعین ہو گیا کہ نبی ارشادی
 ہے۔ دوسرے اس حکمت پر نظر کر کے اس سے ایک عام مسئلہ مستنبط ہو گیا، وہ یہ کہ
 رمضان کے لئے پہلے سے آمادہ ہو جانا چاہیے اور ظاہر ہے کہ تیاری عظیم الشان کی
 عظیم الشان ہی ہوتی ہے تو اس کے لئے بہت ہی اہتمام کرنا چاہیے اور یہی مطلب
 تھا اس کا جو میں نے پہلے بیان کیا تھا کہ ظاہری تعلق حدیث مذکور الصدر کا^(۲)
 شعبان سے ہے مگر حقیقت میں چونکہ اس کا تعلق رمضان سے بھی ہے اس لئے اس
 (۱) مسائل مستطب کرنے اور ایک حکم کو دوسری جگہ ثابت کرنے کے لئے علمائے بیان کرتے ہیں (۲) جو حدیث
 شروع میں بیان کی گئی ہے اس کا ظاہری تعلق شعبان سے ہے۔

کو بھی بیان کروں گا۔ سواب میں اس وعدہ کو پورا کرتا ہوں۔

احکام دین میں سہولت

حاصل یہ ہے کہ بعد نصف شعبان کے روزہ نہ رکھنے میں تقویت ہے رمضان پر، ذرا غور کیا جاوے تو معلوم ہوتا ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے احکام میں بہت ہی سہولت کی ہے، مثلاً یہ کہ رمضان شریف کے روزوں میں صعوبت ہوتی ہے (۱) تو فرماتے ہیں کہ اس سے پہلے کھاپی لو تا کہ رمضان میں آسانی ہو اور اس کے لئے تیار رہو اور یہ آسانی اسی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ تمام احکام میں سہولت کی رعایت کی گئی ہے۔

دیکھئے خاص رمضان شریف میں بھی یہی حکم ہے کہ افطار میں تعجیل کرو اور سحری تاخیر سے کھاؤ تا کہ بھوکا رہنے کا زمانہ کم ہو جاوے۔ ظاہر ہے کہ جب افطار میں جلدی ہوگی اور سحری دیر کر کے کھائی جائے گی تو ترک غذا کا زمانہ کم ہوگا، بخلاف اس کے کہ افطار میں دیر کا حکم ہوتا اور سحری میں تعجیل ہوتی تو زمانہ بھوکے رہنے کا طویل ہو جاتا۔ سو ایسا نہیں ہوا بلکہ سہولت کی رعایت فرمائی گئی۔ اور دیکھئے کہ ہمارے لیے صوم وصال (۲) سے نہی فرمائی، اس میں بھی کتنی سہولت ہے ورنہ کیسی دقت پیش آتی تو دیکھئے سہولت کی کیسی دقیق رعایت کی ہے۔

غرض شریعت میں ظاہری و باطنی دونوں حکمتیں ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت نے حفظ و حدود کا بڑا ہی اہتمام کیا ہے اور تصوف کا حاصل بھی یہی حفظ حدود ہے۔

گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی

”اگر مراتب کی حفاظت نہ کرو تو یہ زندیقی ہے“

چنانچہ گوروزہ ایک عبادت مقصودہ ہے اس میں جتنا امتداد ہوتا بعید نہ تھا (۳)

مگر اس کی بھی ایک حد ہے میں اس کو کہاں تک بیان کروں شریعت کے ہر حکم میں

(۱) مشقت (۲) مسلسل روزہ رکھنے کی ممانعت کی (۳) جتنے زیادہ روزے رکھنے کا حکم ہوتا تو کچھ بعید نہ تھا۔

حکمت ہی حکمت ہے۔

دیکھئے حدیث میں ہے کہ اگر اوراد میں نیند آجائے تو سو رہو۔ حضور ﷺ نے فلیرقدا ارشاد فرمایا ہے: یہ نہیں کہ اگر نیند آجاوے تو آنکھوں میں مرچیں بھر لو تا کہ نیند جاتی رہے اور ایسی عبادت کس کام کی جس میں نفس کو بے حد مشقت میں ڈالا جاوے۔ چنانچہ حضور ﷺ ایک بار مسجد میں تشریف لائے، دیکھا کہ وہاں دوستوں کے درمیان ایک رسی بندھی ہوئی ہے، دریافت فرمایا کہ یہ رسی کیسی ہے، لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت زہنب نے باندھ رکھی ہے۔ جب ان کو عبادت کرتے کرتے نیند آنے لگتی ہے تو اس سے سہارا لگالیتی ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو توڑ دو۔

مجاہدات میں سہولت

حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ ورد پڑھتے پڑھتے نیند آنے لگے تو کیا کرنا چاہیے، فرمایا کہ تکیہ پر سر رکھ کر سو رہو۔ جب طبیعت ہلکی ہو جاوے پھر پڑھنے لگو اور اگر نیند کو زبردستی دفع کیا جاوے تو اس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ دماغ میں خشکی پیدا ہو جاتی ہے، صفر (۱) میں اشتعال بڑھ جاتا ہے۔ سودا (۲) میں ترقی ہو جاتی ہے، خیالات فاسدہ آنے لگتے ہیں اور بعض اوقات وہ ان کو الہام سمجھ کر اپنے کو بزرگ جاننے لگتا ہے۔ آخر یہ ہوتا ہے کہ جنون ہو جاتا ہے۔

خود حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ذکر شخص کو تقلیل منام و طعام (۳) سے منع فرمایا تھا اور وہی اس کے لئے مصلحت تھی مگر اس نے کہنا نہ مانا، آخر جنون ہو گیا۔ ان ہی شخص کو اخلاط میں اشتعال ہونے (۴) سے سنہری حروف میں کچھ عبارتیں نظر آنے لگی تھیں اور وہ اس کو کمال خیال کرتا تھا۔ مولانا نے فرمایا کہ ان کو جنون ہونے والا ہے آخر ایسا ہی ہوا۔ اس راہ میں بدوں رفیق کے کام نہیں چلتا۔

(۱) اخلاط اربعہ میں سے ایک خلط ہے زرد رنگ کڑوی خلط قوت صفراء میں جوش ہوتا ہے (۲) چاروں خلطوں میں سے ایک خلط کا نام ہے۔ جلا ہوا بلغم کی زیادتی ہوتی ہے (۳) کم کھانے اور کم سونے (۴) اخلاط میں جوش ہونے کی وجہ سے۔

بے رفیقے ہر کہ شد در راہ عشق عمر بگذشت و نشد آگاہ عشق
یار باید راہ را تنہا مرو بے قلاوز زاندریں صحرا مرو
ہر کہ تنہا دریں رہ را برید ہم بہ عون ہمت مرداں رسید
بلا مرشد کے طریق عشق میں جس نے قدم رکھا اس نے عمر ضائع کی اور
عشق سے آگاہ نہ ہوا۔ راہ سلوک میں مددگار ہونا چاہئے اس میں تنہا قدم مت رکھو
بلا مرشد کے اس عشق کی وادی میں مت چلو۔ اتفاقاً جس شخص نے اس راہ سلوک کو
اکیلے خود طے کیا ہے وہ مردان خدا (اللہ والوں) کی توجہ سے کیا ہے۔

اکثر نہ سونے کا انجام خشکی ہوتی ہے اور اس سے انسان کو ایسے امراض
گھیر لیتے ہیں کہ آدمی پھر کسی کام کا نہیں رہتا۔ جو شخص مجھ سے شکایت کرتا ہے کہ
نیند بہت آتی ہے تو میں کہہ دیتا ہوں کہ سو رہو۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے نیند کی
بہت رعایت کی ہے ہاں قصداً غفلت نہ کرو، باقی نیند کے بارے میں تو ارشاد ہے
”لا تفريط فی النوم“ (۱) ہاں جاگنے کے بعد اٹھ کھڑا ہونا چاہیے اس میں زیادہ
مرو کھپومت، ورنہ یہ کیفیت ہو جائے گی۔

چار دن کی چاندنی اور پھر اندھیری رات ہے
یعنی چند دن ذکر و شغل کر کے عمر بھر کو بیٹھ جاؤ گے۔ حضرت مولانا
محمد یعقوب صاحب فرمایا کرتے تھے کہ سبق اتنا یاد کرو کہ تھوڑا شوق باقی رہ جائے
مگر یہ مطلب نہیں کہ غافل ہو جاؤ۔

احکام شریعت میں سہولت

حج میں دیکھو کیسی سہولت ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: ﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا﴾ (۲) استطاعت کی قید لگا دی یہ نہیں کہ
(۱) سونے میں کوئی زیادتی نہیں (۲) اللہ کے لئے بیت اللہ کا حج اس شخص پر فرض ہے جو وہاں تک جانے کی طاقت رکھتا ہو

استطاعت نہ ہو جب بھی حج فرض ہے، غرض شریعت کے حکم میں سہولت ہے۔ میں دعویٰ کر کے کہتا ہوں کہ کسی نے اتنی سہولت نہیں کی جتنی اللہ و رسول ﷺ نے کی ہے اور جہاں بظاہر دشواری معلوم ہوتی ہے اس کی غرض بھی سہولت ہی ہے۔ غرض ہر حکم میں سہولت ہی کی رعایت ہے۔

چنانچہ اسی اصل پر فرماتے ہیں: ”اذا انتصف شعبان فلا تصوموا“ (۱)
 ”جب نصف شعبان ہو جائے تو روزہ نہ رکھو“ مطلب یہ ہے کہ مجاہدہ میں سہولت کی رعایت رکھو تا کہ اس سے نفرت نہ ہونے لگے۔

حضور قلب کی حقیقت

ایک شخص نماز پڑھتے تھے اور حضور قلب کا اہتمام کرتے تھے مگر اس کی حقیقت نہ سمجھتے تھے۔ اس لئے اس میں بہت مشقت اٹھاتے تھے۔ اس کا یہ نتیجہ تھا کہ بجائے اس کے کہ نماز کے وقت فرحت ہو، ان کو بڑی کلفت (۲) پیش آتی تھی کہ مصیبت آئی، میں نے ان کو حضور قلب کی حقیقت بتلائی جس سے اس کی سہولت ثابت ہوئی تب ان کی وہ حالت موقوف ہوئی۔

میں اس وقت بھی فائدہ عامہ کے لئے اس کا اعادہ کرتا ہوں وہ کیا ہے ایک مثال سے سمجھ میں آجائے گی۔ فرض کرو کہ دو شخص حافظ قرآن ہیں ایک کا قرآن شریف تو ایسا پاک ہے کہ اس کو متشابہ ہی نہیں لگتا بے سوچے فر فر پڑھتا ہوا چلا جاتا ہے، جیسے گھڑی میں کنجی لگادی (۳) اور وہ چل رہی ہے رکتی ہی نہیں یا جیسے پشیل چھوڑ دیا (۴) ایسے شخص کو خیال کرنے اور سوچنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ اور دوسرا وہ ہے جو اٹک اٹک کر پڑھتا ہے اور اس کو خوب متشابہ لگتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس شخص کو سوچنے کی اور الفاظ قرآن پر نظر رکھنے کی خاص ضرورت ہوگی تو بحالت موجودہ اس کچے حافظ کی جس قدر

(۱) سنن ابی داؤد: ۲۳۳۷، مشکوٰۃ المصابیح: ۱۹۷۴، کنز العمال: ۲۳۸۵۷ (۲) پریشانی (۳) گھڑی میں چابی بھردی

(۴) ریل گاڑی چلا دی۔

توجہ الفاظ قرآن کی طرف ہے وہی حقیقت ہے حضور قلب کی۔ جس قدر توجہ اس کو الفاظ کی طرف ہے نمازی کو اتنی توجہ نماز کی طرف ہونا کافی ہے۔ یعنی رکعات کی طرف توجہ ہو کہ کتنی ہوئیں اور کیا ان میں کیا ہے۔ کیونکہ رکعت مرکب ہے چند اعمال سے، جب ہر عمل کو سوچ سوچ کر کیا اور الفاظ قرآن کو اس طرح پڑھا کہ اس کے بعد یہ لفظ ہے اور اس کے بعد یہ بس حضور قلب ہو گیا۔ چاہے اس کے ساتھ بے اختیار وسوسے کتنے ہی آتے ہوں، وہ حضور قلب کے منافی نہیں ہیں^(۱)۔ اب اس مشہور شعر کی حقیقت معلوم ہوگئی ہوگی۔

بر زباں تسبیح و در دل گاؤخر
ایں چنین تسبیح کہ دارد اثر
”زبان پر تسبیح اور دل میں گاؤخر کا خیال^(۲) ایسی تسبیح کیا اثر رکھتی ہے“

یہ شعر مولانا رومی کا نہیں ہے۔ سو معلوم ہو گیا ہوگا کہ یہ مضمون صحیح نہیں ہے بلکہ اس قسم کی تسبیح بھی نفع سے خالی نہیں، میں نے اس شعر کا رد کیا ہے کہ

ایں چنین تسبیح ہم دارد اثر

”ایسی تسبیح بھی اثر رکھتی ہے“ البتہ اگر بقصد تصور گاؤخر کا مراد ہو تو اصل شعر بھی صحیح ہے۔

نشاط پیدا کرنے کی ضرورت

صاحبو! حدیث میں ہے کہ ”الدین یسر“ کہ دین آسان ہے اور قرآن شریف میں ہے ﴿مَّا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ﴾ ”کہ دین میں اللہ تعالیٰ نے کوئی تنگی نہیں رکھی“

اگر دین اسی کا نام ہے جیسا متشددین نے کیا ہے تو کیا ساری احادیث قرآن غلط ہو جائے گا۔ بات یہ ہے کہ نہ تو دین اتنا سہل ہے جیسا کہ بعض نے سمجھ لیا ہے کہ آسانی تو جب ہو جب کہ دین کو بالکل چھوڑ دے اور سانڈ کی طرح آزاد

(۱) حضور قلب کے خلاف نہیں (۲) ارادہ گاؤخر کا تصور کرنا۔

پھرے۔ بطلان اس کا ظاہر ہے کیونکہ آسانی ایسی چیز کے ساتھ متعلق ہوتی جس کا وجود بھی ہو۔ اس واسطے کہ جب یوں کہتے ہیں کہ یہ چیز آسان ہے تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ اس چیز کا وجود تو ہے اور باوجود موجود ہونے کے پھر اس میں سہولت ہے۔ اور جو شے معدوم ہو تو اس کو نہیں کہہ سکتے کہ یہ شے آسان ہے، اس لئے جب دین نہ رہے گا تو آسان کس کو کہیں گے اور بعض نے تشدد اتنا کیا کہ اس کو ڈراؤنا دیو بنا دیا دین کا تو جمال ہے جس پر بے ساختہ یہ شعر صادق آتا ہے۔

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگریم گرشمہ دامن دل مے کشد کہ جانیاست
”از سرتاپا جدھر بھی نگاہ ڈالتا ہوں کرشمہ دامن دل کو کھینچتا ہے کہ یہی جگہ ہے“

دین میں تشدد کا نقصان

تشددین^(۱) نے دین کو ایسا دشوار بنایا ہے^(۲) جیسے شاعروں کا معشوق کہ پلکیں ایسی جیسے تیر، آبرو ایسے جیسے کمان، منہ ایسا جیسے نقطہ، زلفیں ایسی جیسے سانپ، اور کمر تھی نہیں یہ شاعروں کی معشوق ہے جس کا وجود ہی نہیں اور اگر اس شکل کا کوئی آدمی سامنے آجائے سب سے اول بھاگنے والے یہی عاشق ہوں۔

صاحبو! دین میں نہایت سہولت ہے، کام اس طرح کرو کہ نشاط رہے، اگر نشاط نہ ہو اس کی تدبیر کرو، اگر خلاف سہولت و عوارض نشاط خود پیش آجائے تو عمل کو مت چھوڑو بلکہ عوارض کے دور کرنے کی تدبیر کرو یہ حاصل ہے اس حدیث کا، یہ تو عالمین کا علاج ہے۔ نصف شعبان کے بعد پس ان کا علاج یہ بتایا کہ ”اذا انتصف شعبان فلا تصوموا“ کہ نصف شعبان کے بعد روزہ مت رکھو تا کہ نشاط باقی رہے، نفس پر زیادہ تشدد مت کرو بلکہ رمضان سے پہلے اس کو راحت سے رکھو اور تشدد کے متعلق ایک دقیق اور مفید بات یہ ہے کہ جو عقل میں زیادہ کاوش کرتا ہے وہ خاص ثمرات کا منتظر رہتا ہے۔ اگر اس میں دیر ہوتی ہے تو وسوسہ پیدا ہوتا ہے کہ

(۱) سختی کرنے والوں نے (۲) مشکل۔

باوجود ایسے مجاہدات کے مجھ کو اب تک ثمرات کیوں نہیں ملے۔ حالانکہ میں انتا مجاہدہ کرتا ہوں گویا اپنی عبادت پر ناز ہو جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں بھی کچھ ہوں اور اپنے آپ کو ثمرات کا مستحق سمجھنے لگتا ہے کہ میری عبادت پر ثمرات کا دینا گویا خدا کے ذمہ ہو گیا اور یہ عین کبر ہے۔ اور جو شخص اعتدال سے کرتا ہے تو وہ یہ خیال ہی نہیں رکھتا بلکہ یہ سمجھتا ہے کہ میں کرتا ہی کیا ہوں جس پر ثمرات مرتب ہوتے، وہ تو ثمرات کا خیال کرتے ہوئے بھی شرماتا ہے ایسا شخص صرف فضل کا امیدوار ہوتا ہے۔ یہ تو کام کرنے والوں کے متعلق علاج تھا اور کابلوں کے لئے یہ بیان نہیں تھا۔

کابلوں کا علاج

اب کابلوں کا علاج بتاتا ہوں اور اسی حدیث سے بتاتا ہوں۔ طب کامل وہ ہے جو ایک دواء سے دو متضاد مریضوں کا علاج کر دے۔ حدیث ایسی ہی طب کامل ہے سو جو لوگ بالکل غفلت میں ہیں کہ کام ہی نہیں کرتے اور اگر کرتے بھی ہیں تو اس وجہ سے کہ اگر نہ کروں گا تو لوگ یوں کہیں گے کہ کچھ کرتے ہی نہیں جس قدر فرض ہو چکا ہے اس پر اکتفا کرتے ہیں اس سے زیادہ کرنا ان پر وبال ہوتا ہے ان کا علاج جو اسی حدیث میں مذکور ہے یہ ہے کہ وہ کام کرنے کی عادت ڈالیں۔ عادت سے کام آسان ہو جاتا ہے وہ صرف رمضان شریف کے روزہ پر اکتفا نہ کریں بلکہ گاہ بگاہ نفل روزہ بھی رکھتے رہیں تاکہ رمضان شریف میں روزہ رکھنا ان پر آسان ہو کیونکہ اگر عادت نہ ہو تو پھر وقت پر سخت دشواری پیش آتی ہے، کہیں تمباکو کا تقاضا ہے کہیں دودھ کا، ان کی روزہ میں یہ حالت ہوتی ہے کہ گویا ساری دنیا سے لڑ رہے ہیں ان کا روزہ ایسا ہوتا ہے جیسے مولانا فرماتے ہیں:

چوں گرسنہ میشوی سگ میشوی چونکہ خوردی تندو بدرگ میشوی
”جب بھوکا ہوتا ہے تو کتا بن جاتا ہے اور جب شکم سیر ہوتا ہے تو
بداخلاق اور ظالم بن جاتا ہے“

سو شریعت نے ایسوں کے لئے سہولت کا طریقہ بتلادیا کہ کبھی نفل روزہ بھی رکھ لینا چاہیے اور یہ بھی اسی حدیث سے معلوم ہوا کیونکہ حضور ﷺ نے اس میں نصف شعبان کے بعد صوم سے (۱) منع کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ اس سے پہلے روزے کا محل ہے اور محل میں روزہ کی فضیلت پر دلیل قائم ہے۔ پس اس اشارہ میں کالوں کا علاج بتلادیا اور شریعت نے اس علاج میں اتنی اور آسانی کی کہ ان نفل روزوں کے دن بتلادیئے کہ رمضان کے علاوہ محرم کا روزہ رکھو تو اتنا ثواب ہے، ذی الحجہ میں اس قدر ہے پھر سب روزوں کی سرحد شعبان میں مل گئی کہ ایک روزہ پندرہویں کا بھی رکھ لو۔ اس میں بتلادیا کہ شعبان میں ایک دن روزہ رکھ کر دیکھو تو سہی پھر رمضان کے روزہ سے نہیں ڈرو گے کیونکہ پندرہویں شعبان کا زمانہ رمضان کے بالکل قریب ہے اس کے بعد رمضان تک مقدار ایام اور کیفیت موسم میں زیادہ فرق نہیں ہوتا تو اس روزہ سے رمضان کا نمونہ معلوم ہو جائے گا کہ بس رمضان کے روزے بھی ایسے ہی ہوں گے جیسا یہ ہے کہ پھر یہ بھی بتلادیا کہ اس کے بعد پندرہ دن کھاتے پیتے رہو تو اس میں بھی سہولت کا سانان بتلادیا۔

فرضیت نماز میں سہولت

بتلایئے کہ اس روزہ کے رکھنے میں تشدد ہوا یا سہولت جو لوگ کبھی روزہ نہیں رکھتے رمضان شریف میں ان پر آفت آتی ہے۔ جیسا جو حافظ قرآن کبھی نہیں پڑھتے، تراویح میں ان کی عجیب کیفیت ہوتی ہے اور جو پڑھتے رہتے ہیں ان کو بالکل دقت پیش نہیں آتی۔ اس سے اس امر کی بھی حکمت معلوم ہوگئی کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

(مرُوا صبیانکم بالصلوة بلغوا سبع سنین واذا بلغوا عَشْرًا فاضربواہم) (۲)

”یعنی جب بچے ساتھ برس کو پہنچیں تو ان کو نماز کا حکم کرو اور جب دس برس کے ہوں اور نہ پڑھیں تو مارو“۔

حالانکہ بچے اس عمر میں مکلف نہیں ہوتے (۳) کیونکہ بالغ نہیں ہوتے،

(۱) روزہ رکھنے سے (۲) مسند احمد بن حنبل ۲: ۱۸۰، حلیۃ الاولیاء ۱۰: ۳۶ (۳) اس عمر میں ان پر نماز فرض نہیں ہوتی۔

بارہ برس سے کم میں لڑکا بالغ نہیں ہوتا۔ البتہ لڑکی تو کم میں بالغ ہو جاتی ہے۔ تو یہ کیا بات ہے کہ ابھی بالغ بھی نہیں ہوئے اور حکم ہو رہا ہے نماز کا اور وہ بھی مار کر۔ میں کہتا ہوں واللہ! اس میں نہایت سہولت کی رعایت ہے کیونکہ بالغ ہونے پر اگر دفعۃً ہجوم ہو جاتا سب احکام کا تو اک دم سے بیچارہ مصیبت میں پڑ جاتا۔ تعجب نہیں تھا کہ ایک دم سے ہجوم ہونے پر خودکشی کر لیتا یا شریعت کو چھوڑ بیٹھتا۔ اگر شریعت بھی نہ ہوتی تو میں پوچھتا ہوں کہ عقلاء اس بارے میں کیا تجویز کرتے۔ یہی تجویز کرتے کہ پہلے سے اس کو تھوڑا تھوڑا احکام کا عادی بنایا جاوے، مگر شریعت نے تم کو یہ دولت مفت دی ہے اسی لئے تو قدر نہیں ہوئی شریعت کی خوبی مصیبت پڑنے کے بعد معلوم ہوتی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کو شریعت کی قدر تھی ہمیں قدر نہیں کیونکہ بلا مشقت کے ہمیں سب کچھ مل گیا ہے۔ چنانچہ اسی حدیث کو دیکھ لیجئے۔

(اذا انتصف شعبان فلا تصوموا) (۱)

”جب نصف شعبان گزر جائے تو روزہ مت رکھو“

جس میں سبحان اللہ! روزہ رکھنے میں بھی سہولت کی رعایت ہے اور نہ رکھنے میں بھی۔ دونوں حکموں میں سہولت ہے۔ گویا دو متضادین کو جمع کر دیا، ایسا جمع تکون میں ہوا ہے۔ (۲)

چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ بعض فرشتے حق سبحانہ تعالیٰ نے ایسے پیدا فرمائے کہ آدھا جسم ان کا برف کا ہے اور آدھا آگ کا اور تسبیح ان کی یہ ہے (سبحان الذی جمع بین الثلج والنار) ”اللہ تعالیٰ کی ذات ہر عیب سے پاک ہے جس نے برف اور آگ کو جمع کیا“

اسی طرح یہاں پر متضادین جمع کر دیا۔ بڑا کمال یہی ہے کہ متضادین کو جمع کر دے اور ساتھ ہی: (بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ) مولانا فرماتے ہیں:

بحر تلخ و بحر شیریں بمعناں درمیاں شاں برزخ لا یبغیان

(۱) سنن ابی داؤد: ۲۳۳۷، مشکوٰۃ المصابیح: ۱۹۷۴، کنز العمال: ۲۳۸۵۷ (۲) ایک دوسرے کے مخالف دونوں حکموں کو ایک ہی ارشاد میں جمع فرما دیا جو حلقہ قیاسی طور پر ہے۔

”بحر تلخ اور بحر شیریں دونوں برابر جاری ہیں مگر ان کے درمیان ایسا پردہ حائل ہے جس کی وجہ سے باہم مخلط اور مشترک نہیں ہوتے“

اگر سہولت کا قصہ عقلاء کے سپرد کیا جاتا تو وہ یا تو اس پہلو پر نظر کرتے کہ اس طرح عادت پہلے سے ڈالیں کہ کبھی فرصت ہی نہیں دیتے اور یا بالکل آزاد چھوڑ دیتے اور دونوں میں دشواری تھی، آسانی اسی میں ہے کہ عادت بھی رکھو اور ترک بھی کر دو۔

حصول تجوید میں سہولت

عادت پر یاد آیا کہ قاری عبداللہ صاحب مکی نے جو کہ فن تجوید میں میرے استاد ہیں جب ہندوستان آنے لگا تو مجھ سے فرمایا تھا کہ ہندوستان جاتے ہو لیکن اتنا خیال رکھنا کہ جو کچھ سیکھا ہے وہ ضائع نہ ہو جائے جس کی صورت یہ ہے کہ پاؤ پارہ روزانہ اسی طرز سے پڑھ لیا کرنا ایسا کرتے رہو گے تو فن سے مناسبت عملی باقی رہے گی ورنہ اجنبیت ہو جائے گی۔ واقعی کیسی آسان تدبیر فرمائی جس میں مشقت بھی نہیں، اسی طرح آدمی جس کام کو کبھی تھوڑا تھوڑا کرتا رہتا ہے تو سب کچھ ہو جاتا ہے۔

نماز کی اہمیت و فضیلت

ہمیں تو سب عبادتوں کی عادت اور مشق کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک بڑی جامع عبادت مرحمت فرمادی ہے جس میں تھوڑی تھوڑی سب عبادتیں ہو جاتی ہیں وہ کیا ہے نماز کہ اس میں ہر قسم کی عبادت موجود ہے اور پھر زیادہ مشقت نہیں۔

دیکھئے تکبیر تحریمہ سے سلام تک فاقہ کو لازم کر دیا، یہ روزہ کا نمونہ ہے۔ حج کے بھی معنی موجود ہیں کیونکہ حج میں احرام کے بعد بہت چیزیں ممنوع ہو جاتی ہیں۔ یہاں بھی بعد تکبیر تحریمہ بہت سے امور ناجائز ہو جاتے ہیں، حج میں تلبیہ ہے۔ یہاں بھی تکبیریں ہیں، حج میں بدن کو تعب (۱) ہوتا ہے یہاں بھی موجود ہے حج میں احرام سے نکلنے کے لئے حلق ہے، یہاں بھی نماز سے نکلنے کے لئے سلام ہے۔ حج میں قصد بیت

(۱) جسم تھکتا ہے۔

ہے، یہاں بھی توجہ الی البیت ہے (۱)۔ علی ہذا القیاس (۲) نماز میں زکوٰۃ کے معنی بھی پائے جاتے ہیں، زکوٰۃ میں مال خرچ ہوتا ہے یہاں جاں بھی خرچ ہوتی ہے اور مال بھی کیونکہ نماز بدوں لباس کے درست نہیں۔ اعتکاف کے معنی کا پایا جانا ظاہری ہے۔ دیر تک انسان مسجد میں محبوس (۳) رہتا ہے۔ محققین نے کہا ہے کہ نماز میں قربانی بھی ہے وہ اس طرح کہ ذبح کے وقت اللہ اکبر کہتے ہو اور جانور کو ذبح کرتے ہو۔ یہاں اللہ اکبر کہہ کر اپنے نفس کو اللہ کے راستہ میں قربان کرتے ہیں۔ مولانا اسی کو فرماتے ہیں:

معنی تکبیر ایں است اے امیم کائے خدا پیش تو ما قرباں شدیم
وقت ذبح اللہ اکبر میکنی ہم چنیں در ذبح نفس کشتنی

گوے اللہ اکبر وایں شوم را سربہ برتا وارہد جاں از غنا
تن چوں اسماعیل و جاں ہچوں خلیل کرد جاں تکبیر پر جسم نبیل
”اللہ اکبر کے معنی یہ ہیں کہ اے اللہ ہم تیرے سامنے قربان ہوتے ہیں

جیسے ذبح کے وقت اللہ اکبر کہتے ہیں اسی طرح ذبح میں جان قتل کرتے ہیں اسی طرح اللہ اکبر کہتے ہیں سرتاپا اپنی جان پیش کر دے اللہ اکبر کہتے ہیں جسم حضرت اسماعیل علیہ السلام کی طرح اور جان حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح قربان کر دے“

غرض نماز میں خاص جامعیت ہے۔ تمام عبادت کے نمونے اس میں موجود ہیں اس میں تھوڑی عادت روزمرہ فاقہ کی بھی ڈالی گئی اور دیکھئے سہولت کہ حق تعالیٰ نے ہم کو زیادہ فاقہ بھی نہیں دیا۔ ہمارے فاقے کا بھی لحاظ کیا ہے۔ چنانچہ مسئلہ ہے: (اذا جتمع اعشاء والعشاء فابدوا بالعشا) ”یعنی جب کھانا اور عشاء کی نماز جمع ہو جاویں تو پہلے کھانا کھا لو تا کہ نماز میں طبیعت منتشر نہ ہو“

امام ابو حنیفہ سے اس کی حکمت منقول ہے۔ آپ نے فرمایا: (لان اکون اکلہ صلوٰۃ احب الی من ان یکون صلاتہ کلھا اکلا) ”یعنی کہ میرا سارا کھانا نماز ہو جائے یہ اس سے اچھا ہے کہ ساری نماز کھانا ہو جاوے“۔

(۱) بیت اللہ کی طرف منہ کرنا ہے (۲) اس طرح دوسرے احکام کو قیاس کر د (۳) قید۔

مطلب یہ تھا کہ کھانا کھاتے ہوئے جب نماز کا خیال رہے گا تو سارا وقت مراقبہ نماز میں گزرے گا اور انتظارِ صلوٰۃ بحکم صلوٰۃ ہے تو اس کا کھانا نماز ہوگا پھر اس کے بعد نماز بھی فراغت سے پڑھے گا تو اعلیٰ درجہ کی ہوگی اور جو بھوکا رہ کر نماز ادا کرے گا تو نیت کھانے میں پڑی رہے گی تو وہ نماز بھی کھانا ہو جاوے گی۔ غرض جو شخص کھانا کھا رہا ہے اور دل نماز میں ہے تو نماز ہی میں ہے بخلاف اس شخص کے جو بھوکا نماز پڑھ رہا ہے اور دل پڑا ہوا ہے کھانے میں تو اس کی نماز بھی کھانا ہو رہی ہے۔ عارفین نے ہر موقع پر ان اصولوں کی رعایت کی ہے۔

دل مکہ میں جسم ہندوستان میں

حضرت حاجی صاحب سے جو شخص مکہ شریف میں قیام کی بابت عرض کرتا تو آپ فرماتے کہ دل رہے مکہ میں اور جسم ہندوستان میں، وہ اس سے اچھا ہے کہ دل رہے ہندوستان میں اور دھڑ ہو مکہ میں کیونکہ مکہ میں رہ کر کسی اور جگہ کا اشتیاق ہونا بیت اللہ سے اعراض کی صورت ہے۔

ایک شخص کا قصہ ہے کہ وہ مکہ میں مستقلاً مقیم تھے۔ وہ بیمار ہوئے اور بیماری میں ان کے منہ سے بار بار نکل رہا تھا کہ مجھ کو ہندوستان لے چلو۔ لوگ ان کا پلنگ اٹھا کر دوسری جگہ رکھ دیتے اور کہتے کہ ہندوستان پہنچا دیا۔ بس اسی میں ان کا انتقال ہو گیا۔ اس لئے مکہ میں رہنا ہر شخص کا کام نہیں۔ اس کے لئے بڑے دل کی ضرورت ہے اور وہاں کے بہت آداب ہیں۔ آج کل تو لوگ مکہ میں بھی سیر و تفریح کے لئے جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک نواب سے نظر بندی کے بعد پوچھا گیا تھا کہ تم کہاں رہنا چاہتے ہو، انہوں نے مکہ کو منتخب کیا ہے۔ چنانچہ وہاں پہنچا دیئے گئے مگر وہاں ان کی عادت یہ تھی کہ راستہ پر بیٹھ جاتے اور عورتوں کو تا کا کرتے تھے۔ بھلا ایسے جانے سے کیا نتیجہ اس لئے بعض کو ہندوستان ہی رہنا اچھا ہے ایسے لوگوں کے بارے میں حضرت مسعود کے فرماتے ہیں کہ اے قوم بہ حج رفتہ کجائید کجائید معشوق دریں جاست بیائید بیائید

اس میں ایسے ہی لوگ مخاطب ہیں جن کے دلوں میں ہنوز بیت اللہ کی محبت و عظمت پیدا نہیں ہوئی۔ چونکہ اہل اللہ کی نظر حقائق پر ہوتی ہے اس لئے ان کو یہ مشورہ دیا گیا۔

روزہ میں آسانی

غرض شریعت میں ہر قدم پر سہولت مقصود ہے۔ حضور ﷺ کا کسی طرح کا کام ہو۔ اسی لئے قدم قدم پر سہولت کی رعایت ہے اور اس سہولت کی روح اور خلاصہ یہی ہے کہ انسان سہولت سے کام کرتا رہے۔ اسی لئے (اذا انتصف شعبان فلا تصوموا) (۱) ”جب نصف شعبان گزر جائے تو روزہ مت رکھو“

دونوں قسموں کو محیط ہے، عالمین کو بھی اور کابلین کو بھی، دونوں کو سہولت کا طریقہ بتلادیا۔ جب اس حد سے تعدی ہوگی تو کام نہ ہو سکے گا، بعض لوگ تشدد کریں گے اور نصف شعبان سے رمضان تک روزے رکھیں گے ان کو رمضان میں مصیبت نظر آئے گی اور بعض لوگ نصف شعبان کا روزہ بھی نہ رکھیں گے ان کو بھی رمضان کے روزے آنے سے جاڑہ چڑھے گا۔ غرض ہر صورت میں کام نہ ہو سکے گا اور حضور ﷺ کا مقصد یہ ہے کہ کام ہو جائے۔ مگر آج کل قال زیادہ ہے (۲) کام نہیں۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں:

کارکن کار بگذر از گفتار اندریں راہ کار باید کار
”عمل کرو اور دعویٰ کو ترک کرو، اس طریق میں عمل اور کام ہی کی ضرورت ہے“

کام کرنے کا اصول

اور اگر کام کرنے کے اصول کا خود احاطہ نہ ہو سکے تو سب سے اچھی صورت کام کرنے کی یہ ہے کہ محققین سے کسی کو اپنا قائد بنالے وہ قائد اتباع شریعت اور سہولت کے ساتھ تدریجاً مقصود کی طرف لے جائے گا۔

اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک بیل سے آہستہ آہستہ روزانہ تدریجاً کام لیا جاتا ہے تو اس کو سوکوس اس بھی لے جاسکتے ہیں اور ایک وہ بیل ہے کہ جس پر کبھی

(۱) سنن ابی داؤد: ۲۳۳۷، مشکوٰۃ المصابیح: ۱۹۷۴، کنز العمال: ۲۳۸۵۷ (۲) لوگوں باتیں زیادہ بتاتے میں کام نہیں کرتے۔

سواری نہیں ہوتی اور سال بھر کے بعد اس سے کام لینا چاہو تو وہ کچھ بھی کر کے نہ دے گا۔ اب اس کے لئے ایک ہوشیار گاڑی بان کی ضرورت ہے جو اس کو تھوڑا تھوڑا روز جوڑا کرے، دو تین میل کا روزمرہ چکر دیا کرے اور شام کو رات ب کھلایا کرے، کچھ عرصہ میں وہ نیل خوب کام دے گا۔

لہذا عادی بنانے کے لئے دو چیز کی ضرورت ہے، کام لینا اور آرام دینا، نفس کی بھی یہی کیفیت ہے کہ بدوں کسی ایسے رہبر کے ٹھیک نہیں ہوتا جو کام بھی لے اور آرام بھی دے اور میں مرید ہونے کو نہیں کہتا ہوں کہ اس سے مرید ہو جاؤ میں کام کا طریقہ پوچھنے کا کہتا ہوں کہ کسی محقق سے پوچھ پوچھ کر کام کیا کرو اور بحمد اللہ میں نے بہت آسان طریقہ حدیث سے آپ کو بتا دیا ہے۔ ان احکام کو یاد رکھئے اور رمضان شریف کے لئے شگفتہ ہو جائیے۔ بعض لوگ رمضان شریف میں بہت پڑمردہ^(۱) رہا کرتے ہیں اور ہمت توڑے رہتے ہیں۔

روزہ میں آسانی پیدا کرنے کی ترکیب

میں اس کے متعلق ایک تجربہ کی بات بتاتا ہوں جس میں روزہ ایسا سہل ہو جاوے کہ نہ برف کی ضرورت رہے نہ شربت کی نہ بالائی کی۔ وہ یہ کہ روزہ میں یہ کبھی مت کہو کہ آج گرمی ہے، آج خشکی ہے آج تو دل گرا جاتا ہے، بھوک کے مارے دم نکلا جاتا ہے۔ اس قسم کا تذکرہ اور خیال بھی مت کرو بلکہ کسی ایسے کام میں لگ جاؤ جس میں انہماک زیادہ ہو جیسے تلاوت قرآن یا کوئی کمانے کھانے کا وسیلہ تاکہ خیال بٹارہے اور روزہ کی طرف دھیان ہی نہ جائے کیونکہ خیال کو بڑا دخل ہے اس کو کر کے دیکھو۔ ان شاء اللہ تعالیٰ روزہ معلوم بھی نہ ہوگا۔

اب دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ توفیق عمل کی مرحمت فرمائیں۔ آمین یا رب العالمین (۲)

(۱) آرزوہ خاطر (۲) اللہ تعالیٰ اس وعظ سے استفادہ کرنے والے سب احباب کو رمضان المبارک کی برکتوں سے بہرہ ور فرمائے اور روزوں میں آسانی پیدا فرمائے۔ اور سب کو روزہ رکھنے کی توفیق دے۔ آمین

خلیل احمد تھانوی جمادی الاول ۱۴۳۳ھ

